انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دھلی

کی تیسویں سالگرہ تقریبات کے پروگرام سے متعلق دوروزہ قومی سمینار

بعنوان

''ہندوستان کے موجودہ سیاق میں مساوات، انصاف اور بھائی چارے کی جانب: ایک بہتر مستقبل کی تخلیق، بذریعہ اسلامیات''

(بتعاون واشتراک مولانا آزاد یونیورسٹی، جودھ پور، راجستھان)

بتاریخ: 20-21/اکتوبر 2017

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز

162، جوگابائی، مین روڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی-25
Tel.: 91-11-26981187, 26989253, 26987467
Fax.: 91-11-26981104
E-mail: ios.newdelhi@gmail.com
Website: www.iosworld.org

تعارفی خاکہ

ہندوستان میں اسلام کا دخول دوطرح سے ہوا، پہلے تو اسلام ان عربوں کے ذریعہ کیرالا میں مالابار کے ساحل تک پہنچا، جو اسلام کا سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی پرامن طریقے سے اس خطے میں سمندری تجارت کرتے تھے۔ دوسرے محمد بن قاسم کے سندھ کو فتح کرنے کے بعد اسلام کی روشنی سندھ پہنچی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سمندری تجارتی جہاز کی لوٹ مار کا وہ واقعہ بیحد اہم ثابت ہوا، جس نے امویوں کو سندھ فتح کرنے پر آمادہ کیا۔ واضح رہے کہ سندھ میں وہ بندرگاہیں تھیں جہاں تجارتی جہاز تجارتی خدمات کے لیے لنگرانداز ہوتے تھے اور بسا اوقات چھوٹے موٹے تجارتی کام کرتے تھے۔ یہ حقیقت کہ راجا داہر کے ذریعہ اس تجارتی جہاز کو پکڑ لیا گیا اور لوٹ لیا گیا، جو مسلمان تاجروں کی بیواؤں کو لیکر جارہا تھا اس بات کو آشکارا کرتی ہے کہ غالباً اسلام ساحل سندھ تک اس کی فتح یابی سے کافی پہلے پہنچ چکا تھا۔ عرب تاجروں کا کیرالا میں خیر مقدم کیا گیا، اس وجہ سے کہ یہاں کے باشندے اپنے مفادات کے باعث عربوں کی تجارتی سرگرمیوں کو پسند کرتے تھے۔ اسی لیے مقامی حکمرانوں نے نہ صرف یہ کہ عربوں کا کھلے دل سے استقبال کیا، بلکہ اپنی رعایا کی اس بات کے لیے حوصلہ افزائی کی کہ وہ ان کے ساتھ تعاون کرے اور اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنا چاہے تو یہ قابل اعتراض بات نہیں ہوگی۔ عربوں نے اس مقامی مہمان نوازی کی قدر وستائش کی اور پوری دیانتداری کے ساتھ کاروباری شرکت کا ثبوت دیا اور ایک سچے مہمان کی حیثیت سے مقامی، سیاسی وعسکری امور میں کسی بھی طرح کی دخل اندازی سے احتراز کیا۔ یہی وجہ ہے کہ 16ویں صدی عیسوی کے اواخر میں جب پرتگالیوں نے بہ جبر وقوت عربوں کے زیر تسلط سمندری تجارت پر اپنا قبضہ جمانا چاہا تو عرب تاجروں نے مقامی حکام کے تعاون سے بڑے پیمانے پر ان سے لوہا لیا۔ مقامی حکمرانوں کے ساتھ عربوں کے تعلقات اتنے مستحکم تھے کہ بیرونی حملے اور دیگر مشکلات کے باوجود بھی یہ مضبوط رشتے صدیوں جاری رہے۔ یہی نہیں بلکہ کیرالا میں پرامن ہندو عرب رشتوں کے سبب ہی بڑے پیمانے پر مقامی آبادی میں اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔ سچی بات یہ ہے کہ اسلامی اصولوں اور مساوات وانسانی اخوت کے عمل نے خاص طور پر مقامی آبادی کو متاثر کیا۔

اس کے بالمقابل سندھ میں اسلام سیاسی اور عسکری راستے سے داخل ہوا۔ یہ فطری امر ہے کہ یہاں سیاسی اور معاشی یہاں تک کہ دینی مسائل نے بھی سر ابھارا، جنہیں محمد بن قاسم نے بحسن وخوبی حل کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب سندھ سے اسپین تک کا ایک وسیع ترین علاقہ اموی خلافت کے زیر نگیں آ گیا۔ اس پورے علاقے پر مسلمان حکمراں کی حیثیت رکھتے تھے جبکہ رعایا کی اکثریت غیر مسلموں پر مشتمل تھی، جس میں یہودی، عیسائی اور ایران کے آتش پرست شامل تھے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے بہت سے حقوق ومراعات دی گئیں، جن سے بعد میں ایران کے مفتوحہ علاقے کے باشندوں کو بھی نوازا گیا۔ علماء کے مشورے

پر محمد بن قاسم نے اہل کتاب اور اہل الذمہ کو حاصل مراعات سے سندھ میں رہنے والے ہندوؤں اور بدھسٹوں کو بھی سرفراز کیا۔ اس نے مکمل مذہبی آزادی دی اور غیر مسلموں کو اپنی انتظامیہ میں شامل کیا۔

اگر چہ محمد بن قاسم کا دور حکمرانی بہت مختصر تھا، تاہم اس نے ہندوستان میں اسلام کا دروازہ کھول دیا۔ لیکن محمد بن قاسم کے بعد سندھ میں عربوں کی قوت اور اثر ورسوخ نہایت تیزی سے کم ہوا۔ یہ الگ بات ہے کہ سندھ اور پنجاب کے کچھ علاقوں میں عربوں کا وجود کافی عرصے تک باقی رہا۔ جس وقت محمد بن قاسم نے ہندوستان میں فتح کے جھنڈے گاڑے اسلامی مطالعات یا اسلامی علوم بالکل ابتدائی مرحلہ میں تھے۔ مگر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوے سے روشنی اور حوصلہ پاتے ہوئے مسلمانوں نے ایک ایسی دانشورانہ اور علمی تحریک کا آغاز کیا، جس کی مثال انسانی تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔ قدرتی طور پر ان کی پہلی مہم یہ تھی کہ قرآن کریم کی حفاظت کی جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معتبر اقوال کو یکجا کیا جائے اور محفوظ کیا جائے۔ اسی طرح انہوں نے دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر فقہ کی ارتقاء کا کام کیا۔ چنانچہ علم القرآن، علم الحدیث اور فقہ، اسلامی مطالعات کے میدان بھی ہیں اور ان کی قدیم شاخیں بھی ہیں۔ متعدد پہلوؤں سے یہ انفرادی شان کی حامل ہیں۔ بالخصوص علم الحدیث ایک ایسا میدان ہے جس کی مثال کسی دوسری تہذیب میں نہیں پائی جاتی۔

اسلام کے آغاز میں علم میں دوئی کا کوئی تصور نہیں تھا، اور علم کے درمیان دین و دنیا کی کوئی تقسیم نہیں پائی جاتی تھی۔ 'العلم' کے اندر وہ تمام میدان شامل تھے جو نوع انسانی کے بقا اور فطرت سے بحث کرتے تھے۔ اس میدان میں ارتقاء کے بعد جسے عام طور پر اسلامی علوم کے نام سے جانا جاتا ہے عہد اول کے مسلمانوں نے قرآن وسنت کا اتباع کرتے ہوئے اپنے زمانے کے سماجی اور تکوینی علوم میں کمال حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کا پہلا اقدام یہ تھا کہ متاع گمشدہ سمجھتے ہوئے وہ نوع انسانی سے متعلق پائے جانے والے علوم پر دسترس حاصل کریں۔ اس طرح ترجمے کے ایک بڑی تحریک کا آغاز ہوا۔ مسلمان دوسرے عقائد کے فضلاء کے شانہ بشانہ کھڑے ہوئے اور مختلف زبانوں میں پائے جانے والی ان کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ یہ کتابیں سماجی، انسانی اور تکوینی علوم سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس طرح اسلام کے عہد اول ہی میں جن علوم کا ارتقاء ہوا ان میں تاریخ (بشمول معاشی، سیاسی وسماجی علوم کے عناصر) جغرافیہ، فلسفہ، طب، ریاضیات، کیمیا اور طبیعیات شامل ہیں۔ ساتھ ہی یونانی فلسفہ کے زیر اثر اور خاص طور پر تصوراتی فلسفہ ومنطق سے پیدا شدہ کچھ مابعد الطبیعیاتی مسائل کے پیش نظر علم الکلام کا ارتقاء ہوا۔ عمومی طور پر مذکورہ علوم عالم اسلام پر مغربی استعماری یلغار کے موجودہ زمانے تک جاری رہے۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہے کہ محمد بن قاسم کی فتوحات کے زمانے ہی میں اس عظیم اسلامی تہذیب کی داغ بیل پڑی، جس کا عہد عباسی میں ارتقاء وفروغ ہوا۔ تاہم جب تین صدی بعد محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا اس وقت اسلامی تہذیب وعلوم اپنے عروج پر تھے۔ محمد بن قاسم اور محمود غزنوی کی طویل درمیانی مدت میں متعدد عظیم الشان علمی وفکری شاہکار منظر عام پر آئے۔ لیکن محمد بن قاسم کے بعد پیدا ہونے والے چھوٹے موٹے امراء اور حکمرانوں نے پڑوسی ایران وعراق میں فروغ پانے والے اسلامی علوم کی ترویج واشاعت میں کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔

ان کے برخلاف محمود غزنوی خود بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا اور اس نے اس بات کو ثابت کر دکھایا کہ وہ علم و معرفت کا سرپرست ہے۔ شمالی ہندوستان بشمول گجرات اور موجودہ پاکستان پر حملوں کے لیے اسے بدنام کیا جاتا ہے، لیکن اس حقیقت کو عام طور پر فراموش کر دیا جاتا ہے کہ اس نے شہرۂ آفاق علمی شخصیت البیرونی کے علاوہ بہت سے علماء و مفکرین کی سرپرستی کرتے ہوئے علم اور معرفت کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ جنگوں میں حاصل شدہ مال غنیمت کو غزنہ کی ترقی کے لیے خرچ کرتا تھا، تاکہ اُسے ایک گہوارۂ علم و معرفت کا درجہ حاصل ہو جائے۔ اسی طرح وہ علوم اور اہل علم کی سرپرستی کرتا تھا۔ اس نے غزنہ میں نہ صرف باغات، مساجد اور اہم مقامات قائم کیے بلکہ یونیورسٹیز، لائبریریز اور علمی مراکز کی سرپرستی بھی کی۔ ان یونیورسٹیز کے نصاب میں اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ بشریات، سماجیات اور تکوینی علوم بھی شامل تھے، جیسے ریاضیات، طب اور دیگر علوم۔ کم و بیش یہی نصاب تعلیم بغداد، بلخ، بخارا اور سمرقند وغیرہ کی یونیورسٹیز میں بھی رائج تھے۔ بعد میں کم و بیش اسی طرح کے تعلیمی نصاب دہلی اور ہندوستان کے دیگر شہروں میں قائم ہونے والی یونیورسٹیز میں بھی رائج ہوئے۔ یہ نصاب تعلیم مجموعہ ہے اسلامی روایات کے نام سے معروف علم کا بھی، جیسے منقولات (روایات/ نازل شدہ معرفت یا علوم جیسے تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ) اور معقولات کا بھی (جیسے عقلی علوم بشمول تکوینی علوم، بشریات اور سماجی علوم)۔ فطری طور پر تعلیم کے یہ نصاب مختلف تھے اور یہ اختلاف بنیادی طور پر مخصوص مضامین کے لیے منتخب کی جانے والی کتابوں میں واضح تھا۔ ان میں طرز تعلیم کتابوں پر مبنی ہوتا تھا۔ اس طور پر کہ مضمون سے متعلق ایک یا دو کتابیں طلبہ کو پڑھائی جاتی تھیں، اس وقت آج کے زمانے میں رائج لیکچر کا تصور ناپید تھا۔ اسلامی مطالعات مدارس، کالجز اور یونیورسٹیز میں محض اسلامی عقائد و تہذیب کی دی جانے والی تعلیم کا نام نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی علمی کارناموں پر بھی مشتمل ہے۔

محمود غزنوی کے زمانے ہی سے ہم ایسی قدآور شخصیتوں و علماء کا مشاہدہ کرتے رہے ہیں جنہوں نے اسلامی علوم، عقائد اور تہذیب کی ایک سے زیادہ شاخوں میں غیر معمولی کام کیا۔ یہ کارہائے نمایاں خاص طور پر علم القرآن، علم الحدیث، فقہ، تصوف، طب، تاریخ نویسی، فلسفہ اور جغرافیہ وغیرہ میں انجام دیئے گئے۔ اسلامی علوم کو اس وقت نئے چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا، جب برطانیہ کے زیر تسلط ہندوستان میں ایک نیا طریقہ تعلیم، نصاب تعلیم اور ذریعہ تعلیم متعارف کرایا گیا۔ اس وقت اس بات کی ضرورت اجاگر ہوئی کہ مغربی استعمار کے جواب میں مسلم اور اسلامی ردعمل کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے، جس کی مدت شاہ ولی اللہ کے زمانے سے موجودہ زمانے تک محیط ہو۔

اورنگ زیب کے انتقال کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کا اقتدار تیزی سے روبہ زوال ہوا۔ مغلیہ زوال کو روکنے کی فوجی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ 18 رویں صدی عیسوی میں شروع ہونے والا یہ زوال بالآخر مغل حکمرانی کے خاتمے پر منتج ہوا۔ برطانیہ نے 18 رویں صدی عیسوی کے اواخر میں مغلیہ ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ 1707 میں اورنگ زیب کی وفات سے چند سال قبل شاہ ولی اللہ پیدا ہوئے۔ انہوں نے نہ صرف تیزی سے زوال پذیر مغلیہ سلطنت کی قابل رحم حالت کو دیکھا، بلکہ ان مسلمانوں کی حالت زار کا بھی مشاہدہ کیا جو اسلام سے زیادہ روایات کے اسیر تھے۔ اسلام کے ایک سچے عالم کی حیثیت سے انہوں نے اصل اسلام کی طرف پلٹنے کی دعوت دی۔

سرسید احمد خان اس وقت پیدا ہوئے جب مغل سلطنت کی سرحدیں آج کے صوبہ دہلی تک سمٹ گئی تھیں۔ انہیں اتنی طویل زندگی نصیب ہوئی کہ وہ مسلم حکمرانی کے خاتمے اور ملک پر برطانیہ کی حکمرانی کی تکمیل کا مشاہدہ کرسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے وقت کے مطالبات کے تناظر میں ان کا عمل اسلامی بھی تھا اور عملی بھی۔ اسلامی مطالعات میں سرسید کی خدمات اس حیثیت کی مالک ہیں کہ موضوعی طور پر ان کا مطالعہ کیا جائے۔ سرسید کے رفیق علامہ شبلی نے اسلامی مطالعات کے میدان میں زبردست خدمات انجام دیں۔ اپنے پیش رو شاہ ولی اللہ کے ساتھ ساتھ ان دونوں شخصیتوں نے ہندوستان میں علماء کی متعدد نسلوں پر اپنے اثرات مرتب کیے۔ استعمار کے زیر تسلط ہندوستان میں متعدد علماء و مفکرین پیدا ہوئے، جیسے اقبال، مودودی اور علی میاں۔ جبکہ مؤخر الذکر دونوں دانشور استعمار کے بعد والے ہندوستان میں بھی رہے اور اپنے علم و دانش سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکمرانی اور وجود کے ہر مرحلہ میں اسلامی مطالعات وقت کے تقاضوں کا جواب دیتی رہی ہیں۔ چار بڑے میدانوں میں ابتدائی متقدم مسلم علماء اپنی خدمات پیش کرتے رہے ہیں: مطالعات قرآن وحدیث، فقہ، تصوف اور سماجی علوم، خاص طور پر تاریخ نویسی۔ یہاں ہماری گفتگو کا تعلق آرٹ، موسیقی، نظم اور فن تعمیر سے نہیں ہے۔

اس کے باوجود کہ آزادی کا سورج ہم پر خون آلود ماحول میں طلوع ہوا، 1947 میں استعمار کی حکمرانی کا خاتمہ ایک عہد ساز واقعہ تھا۔ استعمار کے بعد کا ہندوستان ایک سیکولر، سوشلسٹ جمہوریہ ہے، جس پر دستور کی حکمرانی ہے، مسلمان اس ملک میں ایک معقول یا بڑی اکثریت میں ہیں اور وہ اس ملک کے مساویانہ شہری ہیں۔ اگرچہ عملی طور پر بڑے پیمانے پر وہ امتیاز کا شکار ہیں۔ یہ نیا ہندوستان گوناگوں چیلنجز سے بھرا ہوا ہے، جیسے تکثیری ثقافت، گلوبلائزیشن اور سب سے بڑھ کر وہ مادہ پرستی جس کا اسلامی مطالعات کو مضبوط و مستحکم بنیادوں پر جواب دینا ہے۔ آج کے زمانے کے علماء و دانشوروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس وقت کے چیلنجز کا جواب دیں۔

توقع ہے کہ دو دوروزہ قومی سمینار درج ذیل بڑے افکار پر توجہ مرکوز کرے گا: مسلم حکمرانی میں ہندوؤں کی صورتحال (اہل الذمہ، جزیہ اور انتظامیہ میں ہندوؤں کی شرکت وغیرہ)، مطالعات قرآن، حدیث اور فقہ کی خدمات، تصوف و دعوت، تاریخ نویسی، فلسفہ، بین المذاہب مطالعات، آزادی کے بعد ہندوستان میں مسلمان: شہریت اور حقوق، اقلیتوں کے حقوق جن کی دستور میں ضمانت دی گئی ہے، مسلمانوں سے متعلق حقائق: تعلیمی، سیاسی اور معاشی ابتری، ہندوستانی تناظر میں اسلام اور تکثیری ثقافت، گلوبلائزیشن یا کاروباری معیشت کے چیلنجز اور مواقع، اسلام اور مسلمانوں سے متعلق غلط فہمیاں، جیسے تشدد کا تصور یا اسلام میں جہاد، اسلام میں تبدیلی مذہب، اسلام میں خواتین، مسلم آبادی کی شرح، ہمہ گیر مسلم انحطاط وغیرہ اور مستقبل کی منصوبہ بندی و حکمت عملی۔

اس کے علاوہ ایک اور اہم پہلو بھی ہے جس پر بطور خاص سمینار اپنی توجہ مرکوز کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور اسلامی مطالعات کو دستور ہند میں مذکور اعلیٰ تصورات کے مطابق ہندوستان کے مستقبل کو ڈھالنے میں اہم خدمات انجام دینی ہیں۔ درحقیقت تقسیم ہند کے تناظر میں آزادی کے بعد ہندوستان کا دستور ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ایک عظیم تحفہ تھا۔ دستور میں مذکور متعدد افکار خاص طور پر بنیادی حقوق سے متعلق جیسے مساوات، انصاف اور بھائی چارہ وغیرہ اسلام میں بھی اسی طرح اہمیت کے حامل ہیں۔ عقیدے کی روشنی میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان افکار کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں رائج کریں۔ توقع ہے کہ سمینار مساوات،

انصاف اور بھائی چارے پر مبنی عظیم اسلامی تعلیمات پر روشنی ڈالے گا اور اس بات کی تجاویز سامنے لائے گا کہ کس طرح ذات پات میں جکڑے ہوئے ہندوستانی سماج میں بلند دستوری افکار کو روبہ عمل لایا جائے۔

یہ بھی توقع ہے کہ سمینار ماضی، حال اور مستقبل کے اسلامی مطالعات اور ہندوستان میں مسلمانوں کی صورتحال پر شرح وبسط سے بحث کرے گا۔ امید ہے کہ متوقع شرکاء مذکورہ وسیع افکار کو سمجھیں گے، جیسے مسلم حکمرانی میں ہندوؤں کی حیثیت سے لے کر بین المذاہب مطالعات۔ بقیہ افکار اور موضوعات حال اور مستقبل کے مطالعات کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس لیے ہم امید کرتے ہیں کہ متوقع شرکاء معاصر نقطۂ نظر اور طریقۂ کار کی روشنی میں ان پر بحث کریں گے۔

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز اور مولانا آزاد یونیورسٹی جودھ پور مشترکہ طور پر 20-21/ اکتوبر کو دوروزہ قومی سمینار کا اہتمام کررہے ہیں اور درج ذیل وسیع افکار پر مضامین ومقالات کو پیش کرنے کی دعوت دیتے ہیں:

1۔ مسلم حکمرانی میں اسلامی مطالعات: مطالعات قرآن وحدیث، فقہ، تصوف، بین المذاہب مذاکرات، تاریخ نویسی اور تکوینی سائنس کی خدمات۔

2۔ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق غلط فہمیاں: اسلامی تصورات سے متعلق غلط فہمیاں جیسے اہل کتاب، اہل الذمہ، جزیہ، ہندوؤں کی اسلام میں جبریہ تبدیلی، مسلمانوں کی اعلیٰ شرح پیدائش، اسلام میں تشدد یا جہاد، اسلام اور دہشت گردی، اسلام میں خواتین، اسلام اور تکثیری ثقافت وغیرہ۔

3۔ آزادی کے بعد کے ہندوستان میں مسلمان: تقسیم کے اثرات، مسلمانوں کو معاشی اور سیاسی سطح پر نظرانداز کیا جانا، مسلمانوں کی تعلیمی صورتحال، گرم اور نرم ہندوتوا اور ذرائع ابلاغ اور مسلمان وغیرہ۔

4۔ ہندوستانی دستور اور مساوات، بھائی چارہ اور انصاف کے اسلامی تصورات: دستور ہند میں مسلمانوں کا مقام، مساوات، بھائی چارہ اور انصاف سے متعلق اسلامی تصورات، ہندوستانی تناظر میں اسلام/مسلمان اور جمہوریت، ہندوستان میں گلوبلائیزیشن اور کاروباری معیشت: مسلمانوں کے لیے چیلنجز اور مواقع وغیرہ۔

5۔ مستقبل کی منصوبہ بندی وحکمت عملی: دعوت اور بین المذاہب مذاکرات، ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی صورتحال، اسلام اور انسانی حقوق، علمی احیاء کی تحریک، مخلوط ثقافت اور دستوری افکار کی ترویج وغیرہ۔

☆☆☆